رسائل و مسائل

حضرت علیؓ کی زرہ کا سرقہ

ملک غلام علی صاحب

سوال:۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی کے بارے میں عام طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک یہودی پر اپنی زرہ کی چوری کا دعویٰ کیا اور اپنے بیٹے اور غلام کو گواہی کے لیے پیش کیا۔ قاضی صاحب نے یہ کہہ کر اُن کی گواہی مسترد کر دی کہ از روئے قانونِ شہادت بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہیں کی جا سکتی۔

۱۔ پہلے نمبر پر یہ بات دریافت طلب ہے کہ اس واقعہ کی صحیح تفصیل کیا ہے؟

۲۔ اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے تو کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ کو علم نہیں تھا کہ بیٹے اور غلام کو بطور گواہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

براہ کرم اس واقعہ کی تفصیلات اور اس پر وارد اعتراضات کے بارے میں جواب سے مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

جواب:۔ میں نے بھی حضرت علیؓ کا یہ واقعہ سُنا اور غالباً کہیں پڑھا بھی ہے کہ انہوں نے قاضی شریح کی عدالت میں اپنی زرہ کی چوری کا دعویٰ دائر کیا تھا اور اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور غلام قنبر کو بطور گواہ پیش کیا تھا۔ لیکن اس وقت تلاش کے باوجود یہ واقعہ اس تفصیل کے ساتھ مجھے کسی قابلِ اعتماد کتاب میں نہیں مل سکا۔ امام بیہقی نے سنن کبریٰ جلد ۱۰

کتاب آداب القاضی، ص ۱۳۶ پر اُسے سند کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

"امام شعبی سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ بازار میں نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عیسائی ایک زرہ بیچ رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس زرہ کو پہچان لیا اور فرمایا: یہ زرہ تو میری ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان مسلمانوں کے قاضی فیصلہ کریں گے۔ قاضی جو مقرر ہوئے تھے وہ شُریح تھے۔ شُریح سے امیرالمومنین نے فرمایا۔ اس کے اور میرے مابین فیصلہ کیجیے۔ شُریح نے پوچھا: امیرالمومنین آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علیؓ کہنے لگے کہ یہ میری زرہ ہے جو ایک مدّت سے مجھ سے غائب ہے۔ تب شُریح نے فرمایا: اے نصرانی تم کیا کہتے ہو؟ وہ کہنے لگا: امیرالمومنین نے کیسا جھوٹ بولا، یہ زرہ تو میری ہے۔ اس پر شُریح کہنے لگے۔ یہ زرہ اس شخص کے قبضے میں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ثبوت کے بغیر اس سے لی جا سکتی ہے۔ کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت یا شہادت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا شُریح سچ کہتے ہیں۔ یہ سُن کر عیسائی بول اُٹھا: کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے احکام و تعلیمات ہیں۔ امیرالمومنین اپنا دعویٰ اپنے جج کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان کا جج ان کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔ خدا کی قسم! اے امیرالمومنین یہ آپ ہی کی زرہ ہے۔ میں نے لشکر میں اسے آپ کے ہاتھ بیچا تھا اور پھر یہ آپ کے خاکی اونٹ پر سے سرک کر الگ ہو گئی اور میں نے اسے لے لیا۔ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جب تم اسلام لے آئے تو اب یہ زرہ تمہاری ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے اُسے ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کر کے رخصت کیا۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے اس نو مسلم کو مشرکین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھا"۔

دوسری سند کے ساتھ امام شعبیؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کے علاوہ اس کا دو ہزار درہم مشاہرہ بھی مقرر کر دیا۔ آخرکار وہ جنگ صفّین میں حضرت علیؓ کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہوا"۔

نیل الاوطار اور بعض دوسری کتابوں میں بھی یہ قصّہ سُنن بیہقی کے حوالے سے اسی طرح بیان ہوا ہے۔

اگر اس واقعہ کی تفصیل بس اتنی ہی ہو جو اُوپر بیان ہوئی تو اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو سوال میں مذکور رہے۔ تاہم بالفرض اگر حضرت علیؓ کی طرف سے اُن کے صاحبزادے اور خادم نے شہادت دے دی ہو تو یہ کوئی ایسا ممنوع یا حرام فعل نہیں ہے جس پر ان قابلِ باپ بیٹوں کو مطعون کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ایمان افروز واقعہ کا یہ پہلو چنداں اہمیت نہیں رکھتا کہ حضرت علیؓ کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے حق میں شہادت کیا تھی یا نہیں تھی، بلکہ اس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ امیر المومنین جس کے صادق القول ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا، اس نے بھی اپنی حق رسی کے لیے عدالت سے رجوع کیا اور عدالت نے اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ایک طرف صحابیٔ رسول اور خلیفۂ راشد ہے اور دوسری طرف ایک غیر مسلم ذمی ہے، فیصلہ وہ دیا جو بے لاگ انصاف پر مبنی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بعض احادیث میں یہ ارشاد نبویؐ مذکور رہے کہ قریبی عزیز یا گھر والوں کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں جائز نہیں۔ مگر اوّلاً اس بات کا امکان موجود ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کو یہ ارشاد معلوم نہ ہو۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ بعض صحابۂ کرام بلکہ خود خلفائے راشدینؓ کو بعض ارشاداتِ رسول کا علم نہیں ہوتا تھا اور منادی ہوتی تھی کہ فلاں مسئلے میں جن صاحب کو آنحضورؐ کے کسی قول و فعل کا علم ہو وہ آکر بتائے۔ صحابہ کرام بھول بھی سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ نہایت مشہور ہے کہ انہیں تیمم کے متعلق ایک ارشاد نبوی یاد نہ رہا اور حضرت عمارؓ کو یاد رہا حالانکہ دونوں کے سامنے مشترک واقعہ کے متعلق آنحضورؐ نے اسے بیان فرمایا تھا۔

پھر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ بجز اہل خانہ کے نہ ہو یا سرے سے کوئی شہادت نہ ہو مگر وہ اپنے علم و یقین کی بنا پر اپنا دعوےٰ مبنی بر حقیقت سمجھتا ہو تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنا دعویٰ قاضی کے سامنے جوں کا توں رکھ دے۔ اگر وہ غلط بیانی نہیں کرتا اور شہادتِ زور پیش نہیں کرتا تو اس کا فعل عند اللہ قابلِ مواخذہ نہیں۔ البتہ اس کے دعویٰ اور شہادت کے قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قاضی کرے گا۔ اگر قاضی دعوے کو ناقابلِ اثبات یا شہادت کو ناکافی سمجھتا ہے تب بھی اس کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے فریق کا بیان لے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اقرار جرم کرلے۔ البتہ اگر وہ انکار کر دے اور اس کے خلاف کوئی شہادت موجود یا مسموع نہ ہو، تو قاضی اس سے قسم یا حلف لے گا۔ اس کے بغیر وہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ارشاد بھی حدیث ہی میں وارد ہوا ہے کہ:-

البیّنۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔ — ثبوت مدعی کے ذمے ہے اور دوسرا فریق انکار کرے تو اس پر قسم لازم ہے۔

اس حدیث سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ بعض صورتیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ مدّعی کے پاس شہادت نہ ہو یا عدالت کے نزدیک وہ پایۂ ثبوت تک نہ پہنچتی ہو لیکن مدعی کا دعویٰ یا گواہی فی الحقیقت سچائی پر مبنی ہو تو اس کا عدالت سے رجوع کرنا یا جو شہادت بھی میسّر ہو اُسے بلا کم و کاست پیش کر دینا قابلِ اعتراض نہیں اور مدّعا علیہ کے قسم کھانے کا سوال اُسی صورت میں پیدا ہوتا ہے، ورنہ مدّعی کی طرف سے مطلوب شہادت پیش کر دینے کے بعد فیصلے کا مدار اسی شہادت پر ہوگا۔ اگر شہادت کافی اور قابلِ قبول ہوگی تو ملزم کے لیے قسم کا کوئی موقع نہ ہوگا جس سے وہ بری الذمہ ہو سکے۔ حضرت علیؓ کے پاس کوئی شہادت تھی یا نہ تھی اور تھی تو وہ کسی حد تک قابلِ قبول تھی، اس کے بجائے قابلِ دید اور لائقِ تقلید امر یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے ایک غیر مسلم محکوم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنے خلاف فیصلے کو شرحِ صدر اور خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر انہوں نے اپنے فرزندِ ارجمند یا ملازم کو بھی بطور گواہ پیش کیا اور عدالت نے اس گواہی کو تسلیم نہ کیا تو یہ بھی اسلامی عدل و انصاف کی ایک درخشاں مثال ہے۔ اور ایک عیسائی نے شاید عدالت میں یہ اعتراض نہیں اُٹھایا ہوگا کہ امیر المومنین اپنے گھر کے افراد کو کیوں بطور گواہ پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ مجرد یہ امر کہ خلیفۂ وقت عدالت میں مدّعی بن کر آیا ہے لیکن عدالت نے اس کے خلاف ایک ذمّی کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے جسے اس نے بلا چون و چرا مان لیا ہے، اس نے غیر مسلم پر اتنا زبردست اخلاقی اثر ڈالا کہ وہ نہ صرف دائرۂ اسلام میں داخل ہوا بلکہ آخر وقت تک حضرت علیؓ سے وفاداری و جاں نثاری پر قائم رہا۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ ایک غیر مسلم تو اس روشن پہلو کو سامنے رکھے اور ہم مسلمان اس واقعہ میں اشکال و اعتراض ہی کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

اب تک کی بحث اس واقعہ کی صحیح نوعیت و تفصیل سمجھنے کے لیے کافی ہے اور اسلامی قانونِ شہادت میں اکثریتِ اُمت نے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ قریبی رشتہ داروں اور متعلقین و لواحقین کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قابلِ سماعت نہیں، اب اس پر تقریباً اجماع ہے اور اسے قبولِ عام حاصل ہو چکا ہے اس لیے میں اسی مسلک کو صحیح اور قابلِ ترجیح سمجھتا ہوں لیکن جو روایت اس بارے میں وارد

ہے۔ اس کی سند ضعف سے خالی نہیں (سنن ترمذی، کتاب الشہادات ما جاء فیمن لا یجوز شہادتہ کے تحت امام ترمذی جو حدیث لائے ہیں، اس پر وہ خود فرماتے ہیں:

"یہ حدیث غریب ہے جسے ہم یزید بن زیاد دمشقی ہی کے واسطے سے جانتے ہیں۔ اور یہ راوی ضعیف ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث عبداللہؓ بن عمرو سے بھی مروی ہے لیکن اس کا مضمون بھی ناقابل فہم ہے اور میرے نزدیک اس کی سند صحیح نہیں۔ (لا نعرف معنی ھذا الحدیث ولا یصح عندی من قبل اسنادہ) اور اہل علم کا عمل یہ بھی ہے کہ عام رشتہ داروں کی شہادت جائز ہے۔ والدین اور اولاد کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں، لیکن بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ اگر گواہ عادل ہو تو پھر اس کی شہادت باپ اور بیٹے کے حق میں بھی جائز ہے۔ بھائی کی شہادت بھائی کے حق میں بلا اختلاف جائز ہے اور یہی اصول دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں ہے۔"

امام ترمذی نے اپنی روایت کردہ حدیث پر جس تشریح کا اضافہ فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر قریب ترین عزیز بھی عادل و راست باز ہو اور وہ سچی گواہی اپنے رشتہ دار کے حق میں دے تو یہ کوئی جرم یا معصیت کا فعل نہیں ہے۔ البتہ بربنائے احتیاط اور شک و شبہ کے انسداد کی خاطر اس سے اجتناب کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور مدعا علیہ ایسی گواہی پر معترض ہو تو اس کا اعتراض تسلیم کیا جائے گا۔

امام بیہقیؒ جن کی مفصل روایت شروع میں نقل ہو چکی، انہوں نے آگے چل کر کتاب الشہادات من لا تقبل شہادتہ میں دوسری روایت دی ہے جو ترمذی والی روایت سے ملتی جلتی ہے مگر اس کے ساتھ فرماتے ہیں لا یصح فی ھذا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیٔ یعتمد علیہ (اس مسئلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے) اس قول سے بھی یہی ثابت ہوا کہ زیر بحث معاملے میں جو روایت بھی مذکور ہے اس کی سند تو زیادہ قوی نہیں، البتہ جمہور ائمہ مجتہدین کی تلقی بالقبول نے اسے قابل تمسک اور معمول بہ بنا دیا ہے۔